آزادی کے
پچاس سال
تحریکِ آزادی کے ترانے
مرتبہ
مظہر احمد

تحریکِ آزادی کے ترانے

مرتبہ

مظہر احمد

تصاویر

دیپک میترا

نیشنل بک ٹرسٹ' انڈیا

ISBN81-237-2176-5

پہلا اردو ایڈیشن 1997 (1919)

قیمت: 11.00

Songs of Freedom Movement (*Urdu*)

ناشر: ڈائریکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

اے-۵، گرین پارک، نئی دہلی - 110016

مجاہدینِ آزادی کے نام

فہرست

دیباچہ

پچاس سالہ جشن آزادی کے موقع پر تمام اہلِ وطن کا فرض ہے کہ ذرا سا ٹھہر کر ماضی کے اوراق الٹیں، اگرچہ قوموں کی زندگی میں پچاس سال کوئی بڑا عرصہ نہیں مگر شومئی قسمت کہ زود فراموشی کی عادت کی وجہ سے ہم اپنے ماضی سے بیگانہ نظر آتے ہیں اور کسی راہ گم کردہ کی طرح بے سروسامانی کے لق ودق صحرا میں سرگرداں ہیں، خیر تو ان گم شدہ اوراق میں تحریکِ آزادی کا مینارۂ نور آج بھی عمل، حکمت، حرکت، تجسس اور قربانی کی روشنی بکھیر رہا ہے۔ آزادی کے لئے ہمارے بزرگوں نے جو قربانیاں دیں وہ آج بھی آئینے کی طرح ہمارے سامنے ہیں۔ اس تحریکِ آزادی میں بلا تفریق مذہب و ملت تمام ہندستانیوں نے کندھے سے کندھا ملا کر حصہ لیا اور بدیسی حکومت کو لرزہ براندام کر دیا۔ قوتِ بازو کے پہلو بہ پہلو یہ لڑائی زورِ قلم سے بھی لڑی گئی۔ وطن، آزادی، حریت اور مساوات کے ایسے نغمے گائے گئے کہ عوام کے ظاہر و باطن، جذبۂ حب الوطنی سے سرشار ہو گئے۔ اردو زبان وادب نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ رابطے کی زبان کی حیثیت سے اردو کو دیگر زبانوں پر فوقیت حاصل رہی۔ آزادی کے ترانے دراصل جنگِ آزادی کے وہ رجز ہیں جنہوں نے جانثارانِ وطن کے دلوں کو گرمایا اور انھیں حرکت و عمل کی دعوت دی۔

زیرِ نظر انتخاب "تحریکِ آزادی کے ترانے" اسی گم شدہ روایت پر نظر ثانی کی ایک کوشش ہے۔ جس کے مطالعے سے ہم جان سکیں کہ ہمارے بزرگوں نے کن مصائب و مشکلات کا سامنا کر کے نیز کس جوش جذبہ کے ساتھ تحریکِ آزادی میں حصہ لیا اور وطن کو آزاد کرا لیا۔

اردو میں اس قسم کی شاعری کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اس دریا سے صرف ایک کوزے کو ہی یہاں پیش کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ تحریک آزادی کی

ابتداء سے آخیر تک کے ترانوں کاایک جامع انتخاب پیش کر دیں۔ انتخاب کرتے ہوئے ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ ایک شاعر کی صرف ایک ہی تخلیق انتخاب میں شامل رہے ورنہ زیر نظر انتخاب میں کئی شعراء وہ ہیں جنہوں نے محض قومی شاعری کو ہی اظہار بنایا ہے جبکہ کئی دیگر شعراء کے یہاں ایک سے زیادہ نظمیں اور ترانے موجود ہیں۔ ایسی نظموں اور ترانوں سے احتراز کیا گیا ہے 'جن کے مصنفین کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ یہ انتخاب قارئین کے لئے دلچسپی کا موجب ہوگا۔

آخر میں ہم ذاکر حسین کالج لائبریری (شبینہ) دلی یونیورسٹی لائبریری اور دارہ شکوہ (اردو اکاڈمی) لائبریری کے ارکان کے پر خلوص تعاون کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور نیشنل بک ٹرسٹ کے اراکین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے اس اہم فریضے کی انجام دہی کے لئے ہمارا انتخاب کیا۔ اور ان شعراء کرام کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جن کی تخلیقات اس انتخاب میں شامل کی گئیں ہیں۔

مظہر احمد

ترانۂ ہندی

ڈاکٹر محمد اقبال

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا

اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر وروما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام ونشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

اقبالؔ کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

خاکِ ہند

پنڈت برج نارائن چکبست

اے خاکِ ہند تیری عظمت میں کیا گماں ہے دریائے فیضِ قدرت تیرے لئے رواں ہے
تیری جبیں سے نورِ حسنِ ازل عیاں ہے اللہ رے زیب و زینت کیا اوجِ عز و شاں ہے

ہر صبح ہے یہ خدمت خورشیدِ پُر ضیا کی
کرنوں سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیا کی

اس خاکِ دل نشیں سے چشمے ہوئے وہ جاری چین و عرب میں جن سے ہوئی تھی آب یاری
سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری چشم و چراغ عالم تھی سرزمیں ہماری

شمعِ ادب نہ تھی جب یوناں کی انجمن میں
تاباں تھا مہر دانش اس وادئ کہن میں

گوتم نے آبرو دی اس معبدِ کہن کو سرمد نے اس زمین پر صدقے کیا وطن کو
اکبر نے جامِ الفت بخشا اس انجمن کو سینچا لہو سے اپنے رانا نے اس چمن کو

سب سوربیر اپنے اس خاک میں نہاں ہیں
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہیں یا ان کی ہڈیاں ہیں

دیوار و در سے اب تک ان کا اثر عیاں ہے اپنی رگوں میں اب تک ان کا لہو رواں ہے
اب تک اثر میں ڈوبی ناقوس کی فغاں ہے فردوس گوش اب تک کیفیتِ اذاں ہے

کشمیر سے عیاں ہے جنت کا رنگ اب تک
شوکت سے بہہ رہا ہے دریائے گنگ اب تک

اگلی سی تازگی ہے پھولوں میں اور پھلوں میں کرتے ہیں رقص اب تک طاؤس جنگلوں میں
اب تک وہی کڑک ہے بجلی کی بادلوں میں پستی سی آگئی ہے ہر دل کے حوصلوں میں

گل شمعِ انجمن ہے گو انجمن وہی ہے
حبِ وطن نہیں ہے خاکِ وطن وہی ہے

برسوں سے ہو رہا ہے برہم سماں ہمارا   دنیا سے مٹ رہا ہے نام و نشاں ہمارا
کچھ کم نہیں اجل سے خوابِ گراں ہمارا   اک لاشِ بے کفن ہے ہندوستاں ہمارا

علم و کمال و ایماں برباد ہو رہے ہیں
عیش و طرب کے بندے غفلت میں سو رہے ہیں

اے صورِ حبِ قومی اس خواب سے جگا دے   بھولا ہوا فسانہ کانوں سے پھر سنا دے
مردہ طبیعتوں کی افسردگی مٹا دے   اٹھتے ہوئے شرارے اس راکھ سے دکھا دے

حبِ وطن سمائے آنکھوں میں نور ہو کر
سر میں خمار ہو کر دل میں سرور ہو کر

شیدائے بوستاں کو سرو و سمن مبارک   رنگیں طبیعتوں کو رنگِ سخن مبارک
بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک   ہم بے کسوں کو اپنا پیارا وطن مبارک

غنچے ہمارے دل کے اس باغ میں کھلیں گے
اس خاک سے اٹھے ہیں اس خاک میں ملیں گے

ہے جوئے شیر ہم کو نورِ سحر وطن کا   آنکھوں کی روشنی ہے جلوہ اس انجمن کا
ہے اشکِ مہر، ذرہ اس منزلِ کہن کا   تلتا ہے برگِ گل سے کانٹا بھی اس چمن کا

گرد و غباریاں کا خلعت ہے اپنے تن کو
مر کر بھی چاہتے ہیں خاکِ وطن کفن کو

حُبِّ وطن

خواجہ الطاف حسین حالیؔ

اے وطن! اے مرے بہشتِ بریں   کیا ہوئے تیرے آسمان و زمیں
رات اور دن کا وہ سماں نہ رہا   وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا
سچ بتا تو سبھی کو بھاتا ہے   یا کہ مجھ سے ہی تیرا ناتا ہے
میں ہی کرتا ہوں تجھ پہ جان نثار   یا کہ دُنیا ہے تیری عاشقِ زار
کیا زمانے کو تو عزیز نہیں؟   اے وطن! تُو تو ایسی چیز نہیں
جن و انسان کی حیات ہے تو   مرغ و ماہی کی کائنات ہے تو
ہے نباتات کا نمو تجھ سے   روکھ تجھ بن ہرے نہیں ہوتے
سب کو ہوتا ہے تجھ سے نشو و نما   سب کو بھاتی ہے تیری آب و ہوا
تیری اک مشتِ خاک کے بدلے   نہ لوں ہرگز اگر بہشت ملے
جان جب تک نہ ہو بدن سے جُدا   کوئی دشمن نہ ہو وطن سے جُدا

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہم وطنو!   اٹھو اہلِ وطن کے دوست بنو
تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر   نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر
ہوں مسلمان اس میں یا ہندو   بودھ مذہب ہو یا کہ ہو برہمو
سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو   سمجھو آنکھوں کی پتلیاں سب کو
ملک ہیں اتفاق سے آزاد   شہر ہیں اتفاق سے آزاد

ہند میں اتفاق ہوتا اگر کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کیونکر
قوم جب اتفاق کھو بیٹھی اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی
ایک کا ایک ہوگیا بدخواہ لگی غیروں کی تم پہ پڑنے نگاہ
پھر گئے بھائیوں سے جب بھائی جو نہ آتی تھی وہ بلا آئی
پاؤں اقبال کے اکھڑنے لگے ملک پر سب کے ہاتھ پڑنے لگے
کبھی تورانیوں نے گھر لوٹا کبھی درّانیوں نے زر لوٹا
کبھی نادر نے قتلِ عام کیا کبھی محمود نے غلام کیا
سب سے آخر کو لے گئی بازی ایک شائستہ قوم مغرب کی
ملک روندے گئے ہیں پیروں سے چین کس کو ملا ہے غیروں سے

چھوڑو افسردگی کو جوش میں آؤ بس بہت سوئے، اٹھو ہوش میں آؤ
قافلے تم سے بڑھ گئے کوسوں رہے جاتے ہو سب سے پیچھے کیوں
قافلوں سے اگر ملا چاہو ملک اور قوم کا بھلا چاہو
گر رہا چاہتے ہو عزت سے بھائیوں کو نکالو ذلت سے
قوم کا مبتذل ہے جو انساں بے حقیقت ہے گرچہ ہے سلطاں
قوم دنیا میں جس کو ہو ممتاز ہے فقیری میں بھی وہ بااعزاز
عزتِ قوم چاہتے ہو اگر جاکے پھیلاؤ ان میں علم وہنر
ذات کا فخر اور نسب کا غرور اٹھ گئے اب جہاں سے یہ دستور
اب نہ سید کا افتخار صحیح نہ برہمن کو شدر پر ترجیح
کوئی دن میں وہ دَور آئے گا بے ہنر بھیک تک نہ پائے گا

نہ رہیں گے سدا یہی دن رات یاد رکھنا ہماری آج کی بات
گر نہیں سنتے قولِ حالؔی کا پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

دعوتِ عمل

مولانا حسرت موہانی

اے کہ نجاتِ ہند کی دل سے ہے تجھ کو آرزو
ہمّتِ سر بلند سے یاس کا انسداد کر

قول کو زید و عمر کی حد سے سوا اہم نہ جان
روشنیٔ ضمیر میں عقل سے اجتہاد کر

حق سے بہ عذر مصلحت وقت پہ جو کرے گریز
اس کو نہ پیشوا سمجھ، اس پہ نہ اعتماد کر
خدمتِ اہلِ جور کو کر نہ قبول زینہار
فن و ہنر کے زور سے عیش کو خانہ زاد کر

غیر کی جدوجہد پر تکیہ نہ کر کہ ہے گناہ
کوششِ ذاتِ خاص پر ناز کر، اعتماد کر

تخت یا تختہ

مولانا ظفر علی خاں

نکہتِ گل کے عوض دوشِ صبا پر اب کی بار
بوئے جاں گلشن میں لائی ہے بہارِ انقلاب

جھولتے آتے ہیں محفل میں وہ رندِ لم یزل
جن کی آنکھوں سے ٹپکتا ہے خمارِ انقلاب

وضعِ عالم میں تغیر کے ہویدا ہیں نشاں
جوش میں ہے جذبۂ بے اختیارِ انقلاب

پھوٹنے والی ہے آزادی کے سورج کی کرن
اٹھ رہا ہے پردۂ شب ہائے تارِ انقلاب

خیرہ ہوجانے کو ہے بینائی استبداد کی
سر پہ آچکی ہے تیغِ آبدارِ انقلاب

الحذر اے خرمنِ بیدادِ مغرب الحذر
بحرِ مشرق میں رقصاں ہے شرارِ انقلاب

ہند کے چاکِ گریباں کا ہے کیا اس میں قصور
پنجۂ پورب ہے خود پروردگارِ انقلاب

سر بکف میداں میں آپہنچے جو انانِ وطن
جن کی قربانی پہ ہے دارومدارِ انقلاب

کھیلتے آئے ہیں مل کے وقت سے ہندو جوا
ان کی یہ فطرت ہے اب رہنِ قمارِ انقلاب

گھر سے نکلے ہیں مسلماں بھی کفن باندھے ہوئے
نعرۂ تکبیر ہے مضرابِ تارِ انقلاب

ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ خاور ہوگیا
کیوں نہ ہو خاکِ وطن منت گزارِ انقلاب

خاک میں مل جائے گا سرمایہ داری کا غرور
گر یہی ہے گردشِ لیل و نہارِ انقلاب

وقت آپہنچا کہ یا مر جاؤ یا آزاد ہو
تخت یا تختہ ہے حکمِ تاجدارِ انقلاب

شکستِ زنداں کا خواب

جوشؔ ملیح آبادی

کیا ہند کا زنداں کانپ رہا ہے، گونج رہیں ہیں تکبیریں
اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں
دیواروں کے نیچے آآ کر یوں جمع ہوئے ہیں زندانی
سینوں میں طلاطم بجلی کا، آنکھوں میں جھلکتی شمشیریں
بھوکوں کی نظر میں بجلی ہے توپوں کے دہانے ٹھنڈے ہیں
تقدیر کے لب کو جنبش ہے دم توڑ رہی ہیں تدبیریں
آنکھوں میں گدا کی سُرخی ہے، بے نور ہے چہرہ سلطاں کا
تخریب نے پرچم کھولا ہے، سجدے میں پڑی ہیں تعمیریں
کیا ان کو خبر تھی زیر وزبر رکھتے تھے جو روحِ ملت کو
اُبلیں گے زمین سے مارِسیہ برسیں گی فلک سے شمشیریں
کیا ان کو خبر تھی سینوں سے جو خون چرایا کرتے تھے
اک روز اِسی بے رنگی سی جھلکیں گی ہزاروں تصویریں
کیا ان کو خبر تھی ہونٹوں پر جو قفل لگایا کرتے تھے
اک روز اسی خاموشی سے ٹپکیں گی دہکتی تقریریں
سنبھلو کے وہ زنداں گونج اٹھا، جھپٹو کہ وہ قیدی چھوٹ گئے
اٹھو کہ وہ بیٹھیں دیواریں، دوڑو کہ وہ ٹوٹی زنجیریں

آزادیٔ وطن

مخدوم محی الدین

کہو ہندوستاں کی جے
کہو ہندوستاں کی جے

قسم ہے خون سے سینچے ہوئے رنگیں گلستاں کی
قسم ہے خونِ دہقاں کی، قسم خونِ شہیداں کی
یہ ممکن ہے کہ دُنیا کے سمندر خشک ہو جائیں
یہ ممکن ہے کہ دریا بہتے بہتے تھک کے سو جائیں
جلانا چھوڑ دیں دوزخ کے انگارے یہ ممکن ہے
روانی ترک کر دیں برق کے تارے یہ ممکن ہے
زمینِ پاک اب ناپاکیوں کو دھو نہیں سکتی
وطن کی شمعِ آزادی کبھی گل ہو نہیں سکتی

کہو ہندوستاں کی جے
کہو ہندوستاں کی جے

وہ ہندی نوجواں یعنی عَلَم بردارِ آزادی
وطن کا پاسباں، وہ تیغ جو ہردارِ آزادی
وہ پاکیزہ شرارہ بجلیوں نے جس کو دھویا ہے
وہ انگارا کہ جس میں زیست نے خود کو سمویا ہے
وہ شمعِ زندگانی آندھیوں نے جس کو پالا ہے
اک ایسی ناؤ طوفانوں نے جس کو خود سنبھالا ہے
وہ ٹھوکر جس سے گیتی لرزہ براندام رہتی ہے
وہ دھارا جس کے سینے پر عمل کی ناؤ بہتی ہے
چھپی خاموش آہیں شورِ محشر بن کے نکلی ہیں
دبی چنگاریاں خورشیدِ خاور بن کے نکلی ہیں
بدل دی نوجوانِ ہند نے تقدیر زنداں کی
مجاہد کی نظر سے کٹ گئی زنجیر زنداں کی

کہو ہندوستاں کی جے
کہو ہندوستاں کی جے

نوائے جرس

جمیلؔ مظہری

بڑھے چلو، بڑھے چلو، بڑھے چلو، بڑھے چلو

برادرانِ نوجواں، غرورِ کارواں ہو تم   جہانِ پیر کے لئے شبابِ جاوداں ہو تم

تمہارے حوصلے جواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

اٹھائے سر بڑھے چلو، تنے ہوئے غرور سے   تمہارے قافلے کی شان دیکھتی ہیں دور سے

ہمالیہ کی چوٹیاں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

سلامِ سوج گنگ لو، مجاہدانِ حریّت   ہیں گلفشاں بہشت سے پیمبرانِ حریت

کھلا ہے عرصۂ جہاں' بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

خرابِ بادۂ خودی، مئے عمل پیے ہوئے   علم بدوش وصف بہ صف کلاہ کج کئے ہوئے

مثال بحرِ بے کراں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں بڑھے چلو، بڑھے چلو

بڑھے ہوئے ہوں حوصلے، چڑھی ہوئی ہو آستیں   بدل دو صورتِ جہاں، اُلٹ دو صفحۂ زمیں

پلٹ دو دورِ آسماں بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں بڑھے چلو، بڑھے چلو

قسم تمہارے عزم کی، فدا تمہاری شان کے   بڑھا کے ہاتھ توڑ لو، ستارے آسمان کے
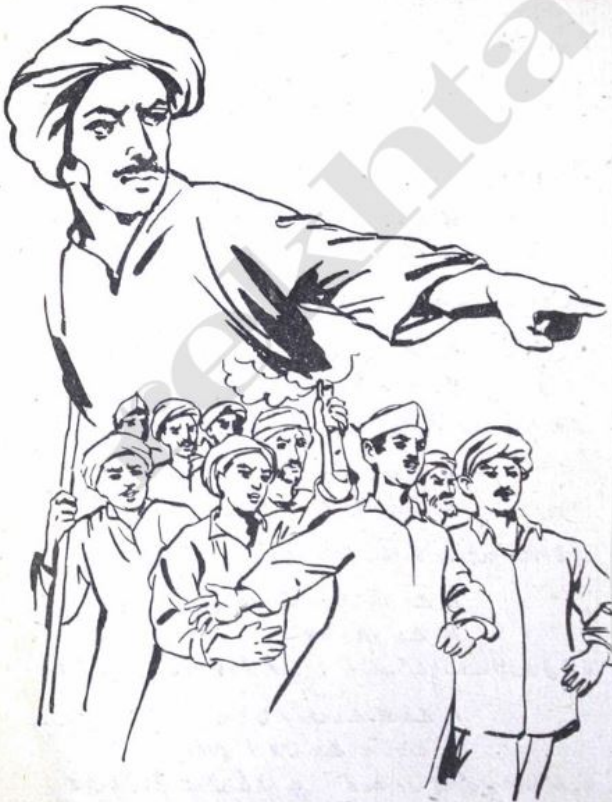
جھکا دو شاخِ کہکشاں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

بنائے کہنہ توڑ دو بناؤ اک جہانِ نو　　جہانِ نو جہانِ نو پہ سقفِ آسمانِ نو

نئے مکیں نئے مکاں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

نہ ہو سوالِ این و آں، نہ ہو تمیز بحر و بر　　عبث ہے خونِ تیرگی، ستارے چھپ گئے اگر

چمک رہی ہیں بجلیاں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

بجھے نہ شمعِ دل کہیں، ہوا ہے تیز باغ کی　　اگر اندھیری رات ہے، بڑھادو لو چراغ کی

گرج رہی ہیں آندھیاں بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں بڑھے چلو، بڑھے چلو

رکے نہ پائے جستجو، بچھے ہیں خار راہ میں　　جھکے نہ پرچم و علم، کھڑے ہیں دار راہ میں

مثالِ گردِ کارواں بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں بڑھے چلو، بڑھے چلو

جنابِ خضرؑ پیر ہیں، لکیر کے فقیر ہیں　　کماں کے ساتھ کیوں رہیں وہ حوصلے جو تیر ہیں

چو تیر جستہ از کماں بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں بڑھے چلو، بڑھے چلو

جو عقل راہ روک دے تو اس کا ساتھ چھوڑ دو　　جو مذہب آکے ٹوک دے تو اس کی قید توڑ دو

ہوا کی طرح سرگراں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نو جواں بڑھے چلو، بڑھے چلو

کھلے ہیں پھول زخم کے، اجل گلے کا ہار ہے　　لہو سے سرخ ہیں کفن یہ مژدۂ بہار ہے

نثارِ تیغ خوں فشاں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں بڑھے چلو، بڑھے چلو

درائے کارواں ہوں میں، درائے کارواں سنو　　مخدراتِ فاقہ کش کی دکھ بھری فغاں سنو

سنو پیامِ بیکساں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں بڑھے چلو، بڑھے چلو

غریب لال قوم کے بلک رہے ہیں بھوک سے　　خدا کا عرش ہل رہا ہے ماںتا کی ہوک سے

گرے نہ سر پہ آسماں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں بڑھے چلو، بڑھے چلو

سروں سے باندھ کے کفن، بڑھے چلو، بڑھے چلو　　اُمیدِ مادرِ وطن بڑھے چلو، بڑھے چلو

دعائیں دے رہی ہے ماں بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں بڑھے چلو، بڑھے چلو

جو راہ میں ٹھہر گئے، نہیں قیامِ پیش و پس　　جو ہمسفر بچھڑ گئے تو چھیڑ نالۂ جرس

سنو جرس کی فغاں بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

تسلّی

فیض احمد فیض

چند روز اور مری جان فقط چند ہی روز

ظلم کی چھاؤں میں دم لینے پر مجبور ہیں ہم
اور کچھ دیر ستم سہ لیں، تڑپ لیں، رولیں
اپنے اجداد کی میراث ہے، معذور ہیں ہم
جسم پر قید ہے جزبات پہ زنجیریں ہیں
فکر محبوس ہے، گفتار پہ تعزیریں ہیں
اپنی ہمت ہے کہ ہم پھر بھی جیے جاتے ہیں
زندگی کیا کسی مفلس کی قبا ہے جس میں
ہر گھڑی درد کے پیوند لگے جاتے ہیں
لیکن اب ظلم کی میعاد کے دن تھوڑے ہیں
اک ذرا صبر کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں

عرصہ دہر کی جھلسی ہوئی ویرانی میں
ہم کو رہنا ہے پہ یوں ہی تو نہیں رہنا ہے

اجنبی ہاتھوں کا بے نام گراں بار ستم

آج سہنا ہے، ہمیشہ تو نہیں سہنا ہے

یہ تیرے حسن سے لپٹی ہوئی آلام کی گرد

اپنی دوروزہ جوانی کی شکستوں کا شمار

چاندنی راتوں کا بیکار دہکتا ہوا درد

دل کی بے سود تڑپ، جسم کی مایوس پکار

چندروز اور میری جان فقط چند ہی روز

آہنگ نو

مجازؔ لکھنوی

اے جوانانِ وطن روحِ جواں ہے تو اُٹھو　　آنکھ اس محشرِ نو کی نگراں ہے تو اُٹھو

خوفِ بے حرمتی و فکرِ زیاں ہے تو اُٹھو　　پاسِ ناموسِ نگارانِ جہاں ہے تو اُٹھو

اُٹھو، نقارۂ افلاک بجا دو اُٹھ کر
ایک سوتے ہوئے عالم کو جگا دو اُٹھ کر

رنگِ گل ہائے گلستانِ وطن تم سے ہے　　شورشِ نعرۂ رندانِ وطن تم سے ہے

نشۂ نرگسِ خوبانِ وطن تم سے ہے　　عفتِ ماہِ جبینانِ وطن تم سے ہے

تم ہو غیرت کے امیں، تم ہو شرافت کے امیں
اور یہ خطرے میں ہیں، احساس تمہیں ہے کہ نہیں

یہ درندے، یہ شرافت کے پُرانے دشمن　　تم کہ ہو حاصلِ آداب و روایاتِ کہن

جادہ پیما کے لئے خضر ہو تم، یہ رہزن　　تم ہو خرمن کے نگہبان، یہ برقِ خرمن

خطۂ پاک میں زنہار نہ آنے پائیں
آہی جائیں جو یہ زندہ تو نہ جانے پائیں

مرد و زن پیر و جوان ان کے مظالم کے شکار　　خونِ معصوم میں ڈوبی ہوئی ان کی تلوار

یہ قیامت کے ہوسناک، غضب کے خونخوار　　ان کے عصیاں کی نہ حد ہے نہ جرائم کا شمار

یہ ترحم سے نہ دیکھیں گے کسی کی جانب
ان کی توپوں کے دہن کر دو انہی کی جانب

یہ تو ہیں فتنہ' بیدار دبا دو ان کو　　یہ مٹا دیں گے تمدن کو، مٹادو ان کو
پھونک دو ان کو جھلس دو کہ جلادو ان کو　　شانِ شایانِ وطن ہو یہ بتا دو ان کو
یاد ہے تم کو کن اسلاف کی تم یادیں ہو
تم تو خالد کے پسر ، بھیم کی اولادیں ہو

اُٹھو

علی سردار جعفری

اُٹھو ہند کے باغبانو اُٹھو　　اُٹھو انقلابی جوانو اُٹھو
کسانو اُٹھو، کامگارو اُٹھو　　نئی زندگی کے شرارو اُٹھو
اُٹھو کھیلتے اپنی زنجیر سے　　اُٹھو خاکِ بنگال وکشمیر سے
اُٹھو وادی و دشت وکہار سے　　اُٹھو سندھ وپنجاب و ملبار سے
اُٹھو مالوے سے اور میوات سے　　مہاراشٹر اور گجرات سے
اودھ کے چمن سے چہکتے اُٹھو　　گلوں کی طرح سے مہکتے اُٹھو
اُٹھو کھل گیا پرچم انقلاب　　نکلتا ہے جس طرح سے آفتاب
اُٹھو جیسے دریا میں اُٹھتی ہے موج　　اُٹھو جیسے آندھی کی بڑھتی ہے فوج
اُٹھو برق کی طرح ہنستے ہوئے　　کڑکتے گرجتے، برستے ہوئے
غلامی کی زنجیر کو توڑ دو
زمانے کی رفتار کو موڑ دو

لوری

اختر شیرانی

کبھی تو رحم پر آمادہ بے رحم آسماں ہوگا　　کبھی تو یہ جفا پیشہ مقدر مہرباں ہوگا

کبھی تو سر پہ ابرِ رحمت حق گل فشاں ہوگا

مسرّت کا سماں ہوگا

مرا ننھا جواں ہوگا

کسی دن تو بھلا ہوگا غریبوں کی دعاؤں کا　　اثر خالی نہ جائے گا غم آلود التجاؤں کا

نتیجہ کچھ تو نکلے گا فقیرانہ دعاؤں کا

خدا گر مہرباں ہوگا

مرا ننھا جواں ہوگا

خدا رکھے جواں ہوگا تو ایسا نو جواں ہوگا　　حسین وکارداں ہوگا دلیر و تیغ راں ہوگا

بہت شیریں زباں ہوگا بہت شیریں بیاں ہوگا

یہ محبوبِ جہاں ہوگا

مرا ننھا جواں ہوگا

وطن اور قوم کی سو جان سے خدمت کرے گا یہ　　خدا کی اور خدا کے حکم کی عزت کرے گا یہ

ہر اپنے اور پرائے سے صدا الفت کرے گا یہ

ہر اک پر مہرباں ہوگا

مرا ننھا جواں ہوگا

میرا ننھا بہادر ایک دن ہتھیار اُٹھائے گا　　سپاہی بن کے سوئے عرصہ گاہِ رزم جائے گا

وطن کے دشمنوں کے خون کی نہریں بہائے گا

اور آخر کامراں ہوگا

مرا ننھا جواں ہوگا

وطن کی جنگ آزادی میں جس نے سر کٹایا ہے　　یہ اس شیدائے ملت باپ کا پر جوش بیٹا ہے

ابھی سے عالم طفلی کا ہر انداز کہتا ہے

وطن کا پاسباں ہوگا

مرا ننھا جواں ہوگا

ہے اس کے باپ کے گھوڑے کو کب سے انتظار اس کا　　ہے رستہ دیکھتی کب سے فضائے کارزار اس کا

ہمیشہ حافظ و ناصر رہے پروردگار اس کا

بہادر پہلواں ہوگا

مرا ننھا جواں ہوگا

وطن کے نام پر ایک روز یہ تلوار اٹھائے گا　　وطن کے دشمنوں کو کنج تربت میں سلائے گا

اور اپنے ملک کو غیروں کے پنجے سے چھڑائے گا

غرور خانداں ہوگا

مرا ننھا جواں ہوگا

سر میدان جس دم دشمن اس کو گھیرتے ہونگے　　بجائے خوں رگوں میں اس کے شعلے تیرتے ہونگے

سب اس کے حملہ شیرانہ سے منہ پھیرتے ہونگے

تہ و بالا جہاں ہوگا

مرا ننھا جواں ہوگا

میں ان کے گیت گاتا ہوں

جاں نثار اختر

میں اُن کے گیت گاتا ہوں، میں ان کے گیت گاتا ہوں

جو شانے پر بغاوت کا علم لے کر نکلتے ہیں
کسی ظالم حکومت کے دھڑکتے دل پہ چلتے ہیں

میں اُن کے گیت گاتا ہوں، میں اُن کے گیت گاتا ہوں

جو رکھ دیتے ہیں سینہ گرم توپوں کے دہانوں پر
نظر سے جن کی بجلی کوندتی ہے آسمانوں پر

میں اُن کے گیت گاتا ہوں، میں اُن کے گیت گاتا ہوں

جو آزادی کی دیوی کو لہو کی بھینٹ دیتے ہیں
صداقت کے لئے جو ہاتھ میں تلوار لیتے ہیں

میں اُن کے گیت گاتا ہوں، میں اُن کے گیت گاتا ہوں

جو پردے چاک کرتے ہیں حکومت کی سیاست کے
جو دشمن ہیں قدامت کے جو حامی ہیں بغاوت کے

میں اُن کے گیت گاتا ہوں، میں اُن کے گیت گاتا ہوں

بھرے مجمع میں کرتے ہیں جو شورش خیز تقریریں
وہ جن کا ہاتھ اٹھتا ہے تو اٹھ جاتی ہیں شمشیریں

میں ان کے گیت گاتا ہوں، میں ان کے گیت گاتا ہوں

وہ مفلس جن کی آنکھوں میں ہے پرتو قہرِ یزداں کا
نظر سے جن کی چہرہ زرد پڑ جاتا ہے سلطان کا

میں ان کے گیت گاتا ہوں، میں ان کے گیت گاتا ہوں

وہ دہقاں جن کے خرمن میں ہیں پنہاں بجلیاں اپنی
لہو سے ظالموں کے سینچتے ہیں کھیتیاں اپنی

میں ان کے گیت گاتا ہوں، میں ان کے گیت گاتا ہوں

وہ محنت کش جو اپنے بازوؤں پر ناز کرتے ہیں
وہ جن کی قوتوں سے دیو استبداد ڈرتے ہیں

میں ان کے گیت گاتا ہوں، میں ان کے گیت گاتا ہوں

کچل سکتے ہیں جو مزدور زر کے آستانوں کو
جو جل کر آگ دے دیتے ہیں جنگی کارخانوں کو

میں ان کے گیت گاتا ہوں، میں ان کے گیت گاتا ہوں

جھلس سکتے ہیں جو شعلوں سے کفر و دیں کی بستی کو
جو لعنت جانتے ہیں ملک میں فرقہ پرستی کو

میں ان کے گیت گاتا ہوں، میں ان کے گیت گاتا ہوں

وطن کے نوجوانوں میں نئے جذبے جگاؤں گا
میں ان کے گیت گاؤں گا میں ان کے گیت گاؤں گا

میں اُن کے گیت گاتا ہوں، میں اُن کے گیت گاتا ہوں

دعوتِ جنگ

معین احسن جذبی

وہ ہوئی لرزش ہوا میں وہ بگل بجنے لگا
جنگ کے نغموں سے وہ تھرائی دنیا کی فضا
دل دھڑکتا ہے فلک پہ آج اسرافیل کا

اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

ہر طرف، ہر سمت کشت و خون کا طوفان ہے
جاں بلب کوئی ہے کوئی پیکرِ بے جان ہے
یہ سمجھ لے ساری دنیا جنگ کا میدان ہے

اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

دیکھ وہ مزدور اٹھے ہیں برائے انتقام
ہاں اُلٹنا ہے تجھے سرمایہ داری کا نظام
کیوں نہیں ہوتی تری تلوار آخر بے نیام

اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

گرمیاں گفتار میں رکھی ہیں کس دن کے لئے
آندھیاں رفتار میں رکھی ہیں کس دن کے لئے
بجلیاں تلوار میں رکھی ہیں کس دن کے لئے

اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

وہ فلک رُتبہ محل، وہ معصیت کی عیش گاہ
جن میں کنواری لڑکیوں کی عصمتیں کرتی ہیں آہ!
ایسا منظر دیکھ سکتی ہے سپاہی کی نگاہ؟

اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

جھومتا چل اور خونخواروں کے سینے چیر ڈال
اک قدم بڑھ اور غداروں کے سینے چیر ڈال
ظلمتِ شب میں سیہ کاروں کے سینے چیر ڈال

اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

دیکھ مے خانے ہیں وہ، جا اور مے خانوں کو توڑ
مے کشوں کے دل میں خنجر بھونک پیانوں کو توڑ
اس طرف مسجد کو ڈھا، اُس سمت بت خانوں کو توڑ

اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

آج ان زر دار آقاؤں کے دل گردے نکال
ان کو توپوں کے دہانوں سے فضاؤں میں اُچھال
دور بھاگیں تجھ سے جو، ان کے لئے بھالا سنبھال

اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

جو نہ تیری ہمنوا ہوں وہ زبانیں کاٹ ڈال
خم شدہ سی شہریاروں کی کمانیں کاٹ ڈال
بے بسوں کے خون کی پیاسی سنانیں کاٹ ڈال

اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

آئیں گے لے لے کے رشوت رشکِ دارا فرِ جم
بافراواں سیم وگوہر، با فریبِ چشمِ نم
ایسے سانپوں کو کچل ڈالیں مگر تیرے قدم
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

جن کے آگے ہاتھ کانپیں اُن حسینوں کو نہ دیکھ
تو ہے جلادِ فلک، زہرہ جبینوں کو نہ دیکھ
آسماں پر وار کر بڑھ کر، زمینوں کو نہ دیکھ
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

وہ بلندی پر ہے مزدوروں کا پرچم آگ سا
اُس کی جانب دیکھ جب تھکنے لگیں تیری قویٰ
زور آجائے گا بازو میں تیرے سہرابؔ کا
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

تو ہر دشمن کا گاہک جنگ کے بازار میں
موت کا ہنستا ہوا چہرہ تری تلوار میں
فتح کے مژدے تری تلوار کی جھنکار میں
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

ترانہ

ساغرؔ نظامی

اے وطن، اے وطن، اے وطن
جانِ من، جانِ من، جانِ من
ذرّے ذرّے میں محفل سجادیں گے ہم تیرے دیوارو در جگمگا دیں گے ہم
تجھ کو ہستی کا گلشن بنا دیں گے ہم آسمانوں پہ تجھ کو بٹھا دیں گے ہم
بن کے دشمن ترا جو اُٹھے گا یہاں
اس کو تحت الثریٰ میں گرادیں گے ہم
اور تحت الثریٰ کو فنا کے سمندر میں ارتھی بنا کر بہا دیں گے ہم

اے وطن ،اے وطن
سن لیں یہ انس وجان وزمین وزمن
اے وطن ،اے وطن،اے وطن
جانِ من، جانِ من ،جانِ من
سونے والوں کو اک دن جگادیں گے ہم رسم وراہِ غلامی مٹا دیں گے ہم
بربریت کے ٹکڑے اُڑا دیں گے ہم آسمان وزمیں کو ہلا دیں گے ہم
کون کہتا ہے کمزور، زبل ہے تو
ہر طرف خوں کے دریا بہادیں گے ہم
جس طرف سے پکارے گی روحِ وطن، اس طرف ہی وفا کی صدادیں گے ہم

اے وطن، اے وطن
سر سے باندھے ہوئے ہیں کفن ہی کفن
اے وطن ،اے وطن، اے وطن
جانِ من، جانِ من، جانِ من

تیری ہستی ہمالہ کی چوٹی بنی   ماہ و خورشید کی اس پہ بندی لگی
روشنی شرق سے غرب تک ہوگی   سجدے میں جھک گئی عظمتِ زندگی

عظمتِ زندگی کی قسم ہے ہمیں
تیری عزت پہ سر تک کٹا دیں گے ہم
وقت آنے دے اے ماں! ترے نام پہ اپنی ہستی و مستی مٹا دیں گے ہم

اے وطن، اے وطن
خون سے اپنے بھر دیں گے گنگ و جمن
اے وطن ،اے وطن، اے وطن
جانِ من، جانِ من، جانِ من

جس کا پانی ہے امرت وہ مخزن ہے تو   جس کے دانے ہیں بجلی وہ خرمن ہے تو
جس کے کنکر ہیں ہیرے وہ معدن ہے تو   جس سے جنت ہے دنیا وہ گلشن ہے تو

دیویوں، دیوتاؤں کا مسکن ہے تو
تجھ کو سجدوں سے کعبہ بنادیں گے ہم
تیری پاکیزہ، دھرتی کو امن ومحبت کا آکاش مندر بنادیں گے ہم

اے وطن، اے وطن
ہر ستارے سے پھوٹے گی تیری کرن
اے وطن، اے وطن، اے وطن
جانِ من، جانِ من، جانِ من،

یہ ستارے یہ نکھرا ہوا آسماں   آسماں سے ہمالہ کی سرگوشیاں
یہ تری عظمتوں کا اٹل راز داں   مستقل، معتبر، محتشم، جاوداں

اس کی چوٹی سے مظلوم دنیا کو پھر
ہم پیامِ حیات ووفا دیں گے ہم
ہم محبت کا نغمہ سنادیں گے ہم، ہم زمانے کو جینا سکھا دیں گے ہم

اے وطن، اے وطن
ہم بجھا دیں گے شمعِ نظامِ کہن
اے وطن، اے وطن، اے وطن
جانِ من، جانِ من، جانِ من،

وطن کے لئے پیغام

تلوک چند محروم

بگڑی ہوئی وطن کی بنا لو، بڑھے چلو!
گرتے ہوئے نشاں کو اٹھالو، بڑھے چلو !

آزاد مثلِ سروِ چمن اور سر بلند
ہندوستاں کے تازہ نہالو، بڑھے چلو!

دل میں کدورت اپنے شریکِ سفر سے کیا
گزری ہوئی پہ خاک ہی ڈالو، بڑھے چلو!

گھبرا کے راستے میں نہ بیٹھو دلاورو
منزل وہ سامنے ہے جیالو، بڑھے چلو!

جو تیز گام بڑھ گئے ہیں اُن سے جا ملو
جو رہ گئے ہیں اُن کو ملا لو ، بڑھے چلو

مردانہ خارزارِ غلامی کو طے کرو
کانٹا بھی پاؤں سے نہ نکالو، بڑھے چلو

منزل بہت قریب ہے وہ دن نہیں ہے دور
جب گوہر مراد کو پالو بڑھے چلو!

قومی گیت

شمیم کرہانی

ہم کام کے نغمے گاتے ہیں، بے کار ترانہ کیا جانیں
جو صرف عمل کے بندے ہیں ، وہ بات بنانا کیا جانیں
رگ رگ میں لہو کو گرماتے ، جاتے ہیں وطن کی جے گاتے
ہم عہدِ جوانی کے ماتے، بوڑھوں کا زمانہ کیا جانیں
طوفان میں کشتی کھیتے ہیں، کہسار سے ٹکر لیتے ہیں
ہم جنگ میں سر دے دیتے ہیں ہم پاؤں ہٹانا کیا جانیں
بگڑوں کو بنانے آئے ہیں ، غربت کو مٹانے آئے ہیں
ہم آگ بجھانے آئے ہیں ہم آگ لگانا کیا جانیں
دیوار وہ کالے زنداں کی، تصویر وہ ظلم انساں کی
شاہد ہے ہمارے ارماں کی، ہم جان چُرانا کیا جانیں
وہ حسن و جوانی کی راتیں، وہ کیف و ترنم کی باتیں
وہ لعل و گہر کی برساتیں ہم لوگ منانا کیا جانیں
افلاس کے مارے بندوں کے کس طرح بلکتے ہیں بچے
جو دیکھ رہے ہیں آنکھوں سے وہ جشن منانا کیا جانیں
وہ اور ہیں جو کرتے ہیں ستم خود شاد رہیں دُنیا محوِ الم
ہم زخم پہ رکھتے ہیں مرہم، ہم زخم لگانا کیا جانیں
بے خوف چلے سنگینوں پر، اور روک لی گولی سینوں پر
لکھا ہے ہماری جبینوں پر ہم سر کو جھکانا کیا جانیں
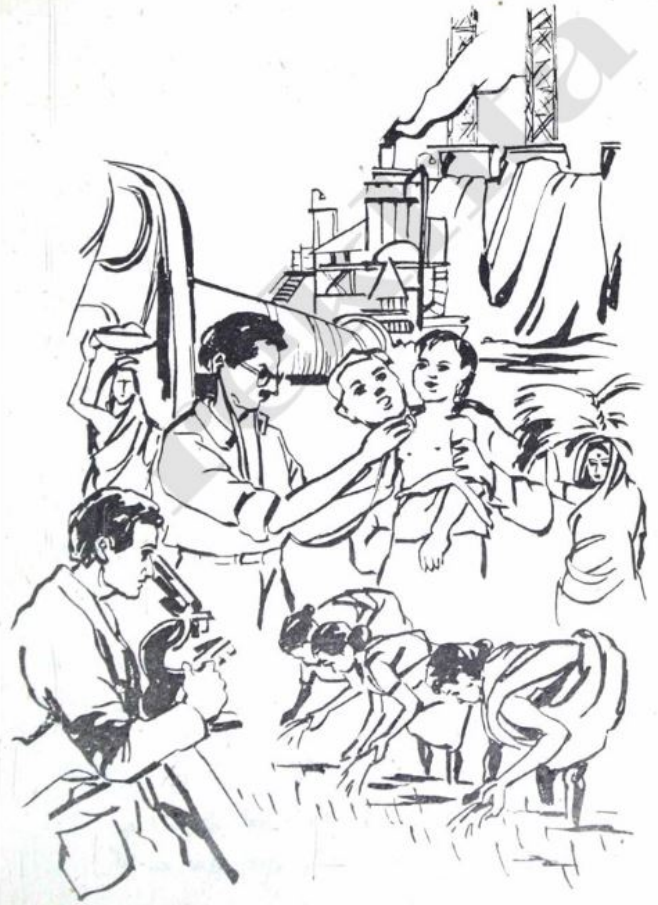
بیداریٔ مشرق

روش صدیقی

انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب
وقت آیا ہے کہ اُٹھے روئے گیتی سے نقاب

انقلاب ! اے ساکنانِ ارضِ مشرق ! انقلاب
اے جمالِ شمعِ آزادی کے پروانو ! اُٹھو
سو چکے اے قصرِ ملت کے نگہبانو ! اُٹھو
بادۂ بیداریٔ مشرق کے مستانو! اُٹھو

اب جگا بھی دو بہت کچھ سو چکا ہے آفتاب
انقلاب ! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب
نو جوانو! اب نشاطِ کُنجِ تنہائی کہاں؟
اے شجاعو! تم کہاں، یہ عیش پیمائی کہاں؟
پھونک دو محفل کو وقتِ محفل آرائی کہاں؟
دور پھینکو ساغر و پیمانہ و چنگ و رباب
انقلاب ! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب
زندگی پایندگی ہے روحِ آزادی کے ساتھ
زندگی ہی زندگی ہے روحِ آزادی کے ساتھ

ا زندہ رہنا ہے تو آزادی سے کیسا اجتناب
انقلاب ! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

اب بھی آنکھوں میں تمہاری رنگِ غفلت دیدہ ہے
خوابِ مستقبل کی ہر تعبیر ناپوشیدہ ہے
انتظارِ صبح کیسا ! صبح خود خوابیدہ ہے

تم ہی خود بڑھ کر اُلٹ دو مہرِ زریں کا نقاب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

برق ہو آنکھوں میں ، دل میں آتشِ پروا نہ ہو
ہوش بھی آئے تو لب پر نعرۂ مستانہ ہو
خامشی میں جرأتِ بیدار کا افسانہ ہو

زندگی کب تک اسیرِ اعتکاف و احتساب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

زیست کی قیمت ہی کیا ہے پیشِ مردانِ وفا
کوئی پوچھے کربلا سے رازِ پیمانِ وفا
ہاں دکھادو اے شجاعو! جوشِ ارمانِ وفا

بے حدود و بے کنار و بے شمار و بے حساب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

دردِ ملت لے کے اے ملت کے غم خوارو چلو!
اے جوانو ! اے دلیرو، اے رضاکارو، چلو!
منتظر ہے رحمتِ یزداں وفادارو چلو!

یونہی کھل جاتے ہیں اکثر قصرِ آزادی کے باب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

سُرخئ خونِ وفا سے زندگی گل ریز ہے
غیرتِ مزدور برقِ خرمن پرویز ہے
جس کا تیشہ آج شعلہ بار و آتش خیز ہے

ہاں وہی ہے کامرانو کامگارو کامیاب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

شرم آئے اپنی ناکامی پہ استبداد کو!
اب نہ صیادی کی جرأت ہو کسی صیاد کو!
تیز کردو شعلہ ہائے فطرتِ آزاد کو!

بجلیوں سے سیکھ لو رازِ سکون و اضطراب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

آسمانِ سرفروشی کے ستاروں کی قسم!
پاک بازوں کی قسم، شب زندہ داروں کی قسم!
تم کو ناموسِ وطن کے جاں نثاروں کی قسم!

جاگ اٹھو دیکھو گے کب تک یونہی امیدوں کے خواب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

جاں نثارانِ وطن ہیں وارثِ دارالسلام
ہے بہت اونچا وطن پر مرنے والوں کا مقام
لیکن اس منزل میں اقدامِ تشدد ہے حرام

تیغِ اخلاص و صداقت ہی ہے تیغِ کامیاب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

ہوشیار! اے غافلانِ حالِ بربادِ وطن!
ڈھونڈتی پھرتی ہے تم کو روحِ ناشادِ وطن!
گر ہوا اب بھی نہ تم کو پاسِ فریادِ وطن!

آہ کیا دوگے وطن کے ذرے ذرے کو جواب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

مُحبّانِ وطن کا نعرہ

آنند نارائن مُلّا

شہیدِ جورِ گلچیں ہیں اسیر و خستہ تن ہم ہیں
ہمارا جرم اتنا ہے ہوا خواہِ چمن ہم ہیں
ستانے کو ستالے آج ظالم جتنا جی چاہے
مگر اتنا کہے دیتے ہیں فردائے وطن ہم ہیں
ہمارے ہی لہو کی بو صبا لے جائے گی کنعاں
ملے گا جس سے یوسف کا پتہ وہ پیرہن ہم ہیں
ہمیں یہ فخر حاصل ہے پیامِ نور لائے ہیں
زمیں پہلے پہل چومی ہے جس نے وہ کرن ہم ہیں
سلائے گی ہمیں خاکِ وطن آغوش میں اپنی
نہ فکرِ گور ہے ہم کو نہ محتاجِ کفن ہم ہیں
بنالیں گے ترے زنداں کو بھی ہم غیرتِ محفل
لئے اپنی نگاہوں میں جمالِ انجمن ہم ہیں
نہیں تیشہ تو سر ٹکرا کے جوئے شیر لائیں گے
بیابانِ جنوں میں جا نشینِ کوہکن ہم ہیں
زمانہ کر رہا ہے کوششیں ہم کو مٹانے کی
ہلا پاتا نہیں جس کو وہ بنیادِ کہن ہم ہیں
نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ عہدہ ہے نہ طاقت ہے
مگر کچھ بات ہے ہم میں کہ جانِ انجمن ہم ہیں
ترے خنجر سے اپنے دل کی طاقت آزمانا ہے

محبت ایک اپنی ہے، ترا سارا زمانہ ہے
فدائے ملک ہونا حاصل قسمت سمجھتے ہیں
وطن پر جان دینے ہی کو ہم جنّت سمجھتے ہیں

کچھ ایسے آگئے ہیں تنگ ہم کنجِ اسیری سے
کہ اب اس سے تو بہتر گوشۂ تربت سمجھتے ہیں

ہمارے شوق کی وارفتگی ہے دید کے قابل
پہنچتی ہے اگر ایذا اسے رحمت سمجھتے ہیں

نگاہِ قہر کی مشتاق ہیں دل کی تمنائیں
خطِ چینِ جبیں ہی کو خطِ قسمت سمجھتے ہیں

وطن کا ذرہ ذرہ ہم کو اپنی جاں سے پیارا ہے
نہ ہم مذہب سمجھتے ہیں نہ ہم ملت سمجھتے ہیں

حیاتِ عارضی صدقے حیاتِ جاودانی پر
فنا ہونا ہی اب اک زیست کی صورت سمجھتے ہیں

ہمیں معلوم ہے اچھی طرح تابِ جفا تیری
مگر اس سے سوا اپنی حدِ اُلفت سمجھتے ہیں

غم و غصہ دکھانا اک دلیلِ ناتوانی ہے
جو ہنس کر چوٹ کھاتی ہے اسے طاقت سمجھتے ہیں

غلامی اور آزادی بس اتنا جانتے ہیں ہم
نہ ہم دوزخ سمجھتے ہیں نہ ہم جنّت سمجھتے ہیں

دکھانا ہے کہ لڑتے ہیں جہاں میں باوفا کیونکر
نکلتی ہے زباں سے زخم کھا کر مرحبا کیونکر

پیامِ آزادی

احسؔن پھپھوندوی

مقامِ حق ہے بلاشک مقامِ آزادی　　بلند عرش سے بھی کچھ ہے بامِ آزادی
نہ ہوسکے گا کبھی محترم جہاں میں تو　　جو تیرے دل میں نہیں احترامِ آزادی
سُنا رہا ہے تجھے انقلابِ دہر جو کچھ　　سُن اور غور سے سُن وہ پیامِ آزادی
کہاں تلک یہ تباہی کی زندگی غافل　　اُٹھ اور جلد بنا اک نظامِ آزادی
اُٹھ اور ہاتھ میں لے تیغِ بے نیامِ عمل　　کہ ہے وسیلہ خون مرامِ آزادی
یہ زندگی ہے تری موت سے سوا بدتر　　خُدا کے واسطے کر اہتمامِ آزادی
غلط ہے یہ جو غلامانہ ذہنیت کے ساتھ　　پکا رہا ہے تو سودائے خامِ آزادی
فروتنی و خوشامد سے مل نہیں سکتا　　شراب خانہ ہستی میں جامِ آزادی
پکار یوں تری ہرگز سُنی نہ جائے گی　　زبانِ تیغ سے کر بس کلامِ آزادی
وطن سے لعنتِ سرمایہ کو فنا کردے　　جو چاہتا ہے بقائے دوامِ آزادی

ہٹا دے پردۂ تاریکِ جبر و استبداد
کہ نور بار ہو ماہِ تمامِ آزادی

گرفتارِ قفس

انجم گیاوی

یہ فریاد و فغاں اے بلبلِ بے خانماں کب تک　　تجھے او بے خبر ہوگی نہ فکرِ آشیاں کب تک
جو اس گلشن میں رہنا ہے تو استحقاق حاصل کر　　گرفتارِ قفس اُمید رحمِ باغباں کب تک
نگہبانی کر ان کی جو نئے پودے ہیں گلشن میں　　رہیں گی سایہ افگن اب یہ سوکھی ڈالیاں کب تک
کر اب ان نونہالانِ چمن کی آبیاری خود　　تری غفلت رکھے گی ان کو پامالِ خزاں کب تک
پھر اپنی قوتِ نشو و نما سے خود یہ ابھریں گے　　رکھے گا ان کو تو محتاجِ دستِ باغباں کب تک

کن آغازِ عمل ایں قصہ عہد کہن تا کے
پئے دلبستگی ایں شغل بزم و انجمن تا کے

علاجِ قوم کرنا ہے تو کچھ درد آشنا ہوجا　　سراپا درد ہوکر درد کی اپنے دوا ہوجا
اگر آزاد ہوکر تجھ کو اس گلشن میں رہنا ہے　　تو مثلِ سرد اپنے پاؤں پر خود ہی کھڑا ہوجا
مخالف ہے ہوا، دشمن ہیں موجیں، زورِ طوفاں ہے　　خدارا کشتی قومی کا اپنے ناخدا ہوجا
نہ ہو پامال سبزے کی طرح پستی میں تو رہ کر　　بلند ہمت بنا اپنے کو عالی حوصلہ ہوجا

بچشم ہمصفیرانِ چمن اعزاز پیدا کن
رہائی گر ہوس داری پر پرواز پیدا کن

وہ اندازِ فغاں اے بلبلِ دلگیر پیدا کر　　تڑپ اُٹھے دلِ صیاد وہ تاثیر پیدا کر
بہارِ گلشنِ صیاد پر کیوں جان دیتا ہے　　خود اپنے دشت میں شادابی کشمیر پیدا کر
بجائے لکچر و اسپیچ سرگرمِ عمل ہوجا　　زبانِ حال بن خاموشی تصویر پیدا کر

زباں کی صرف تیزی سے نہیں کچھ کام چلنے کا
کوئی جوہر بھی دل میں صورتِ شمشیر پیدا کر

وطن آزاد کرنے کے لئے

الطافؔ مشہدی

ہند کا اجڑا چمن آباد کرنے کے لئے
درد کے مارے ہوؤں کو شاد کرنے کے لئے
اک نیا عہدِ جہاں آباد کرنے کے لئے

قصرِ استبداد کو برباد کرنے کے لئے
جھوم کر اٹھو وطن آزاد کرنے کے لئے

صفحۂ ہستی سے باطل کو مٹانے کے لئے
خرمنِ اعدا پہ اب بجلی گرانے کے لئے
اہلِ زر کی بے کسی پر مسکرانے کیلئے

یعنی ارواحِ سلف کو شاد کرنے کے لئے
جھوم کر اٹھو وطن آزاد کرنے کے لئے

پھر سے بھڑکاؤ دلوں میں غیرتوں کی آگ کو
رزم کی جانب بڑھاؤ جرأتوں کی باگ کو
پاؤں کے نیچے کچل دو سیم و زر کے ناگ کو

زندگانی کو سراپا شاد کرنے کے لئے
جھوم کر اُٹھو وطن آزاد کرنے کے لئے

مستیٔ صہبائے آزادی سے لہراتے چلو
ابر کی صورت بلند و پست پر چھاتے چلو
قہقہوں سے لیلیٰ مغرب کو شرماتے چلو

پھر دیارِ ہند کو آباد کرنے کے لئے
جھوم کر اُٹھو وطن آزاد کرنے کے لئے

نعرۂ آزادی

غلام احمد فرقتؔ کاکوروی

انقلاب انگیز نغموں کے ترنّم کی قسم
آسمانِ حرّیت کے ماہ و انجم کی قسم
دار پر اشفاق کے رنگیں تبسّم کی قسم
اور عدالت میں بھگت سنگھ کے تکلّم کی قسم

میرے ہندوستاں! یہ زنجیر غلامی توڑدے

اُس مجاہد کی قسم جو پھول سمجھے خار کو
اپنے دل کا درد جانے قوم کے آزار کو
ارتقا کا زینۂ اوّل جو سمجھے دار کو
بڑھ کے میدانِ عمل میں چوم لے تلوار کو

میرے ہندوستاں! یہ زنجیر غلامی توڑدے

پھونک دیں جو قصر و ایواں اُن شراروں کی قسم
جو دیے دل میں جلادیں اُن اشاروں کی قسم
حرّیت کے باغ کی تازہ بہاروں کی قسم
خون سے دشمن کے رنگیں لالہ زاروں کی قسم

میرے ہندوستاں! یہ زنجیر غلامی توڑدے

عہدِ ماضی کی مبارک داستانوں کی قسم
بسمل و آزاد کے زندہ فسانوں کی قسم
دیس پر مر مٹنے والے نوجوانوں کی قسم
تجھ کو اپنے شاعروں، شیوا بیانوں کی قسم

میرے ہندوستاں! یہ زنجیرِ غلامی توڑ دے

آزادی

فراقؔ گورکھپوری

مری صدا ہے گلِ شمعِ شامِ آزادی — سنا رہا ہوں دلوں کو پیامِ آزادی
لہو وطن کے شہیدوں کا رنگ لایا ہے — اُچھل رہا ہے زمانے میں نامِ آزادی
مجھے بقا کی ضرورت نہیں کہ فانی ہوں — مری فنا سے ہے پیدا دوامِ آزادی
جو راج کرتے ہیں جمہوریت کے پردے میں — انہیں بھی ہے سر و سودائے خامِ آزادی
بنائیں گے نئی دنیا کسان اور مزدور — یہی سجائیں گے دیوانِ عامِ آزادی
فضا میں جلتے دلوں سے دھواں سا اٹھتا ہے — ارے یہ صبحِ غلامی! یہ شامِ آزادی
یہ مہر و ماہ یہ تارے یہ بامِ ہفت افلاک — بہت بلند ہے ان سے مقامِ آزادی
فضائے شام و سحر میں شفق جھلکتی ہے — کہ جام میں ہے مئے لالہ فامِ آزادی
سیاہ خانۂ دنیا کی ظلمتیں ہیں دو رنگ — نہاں ہے صبحِ اسیری میں شامِ آزادی
سکوں کا نام نہ لے، ہے وہ قیدِ بے میعاد — ہے پے بہ پے حرکت میں قیامِ آزادی
یہ کاروان ہیں پسماندگانِ منزل کے — کہ رہروؤں میں یہی ہیں امامِ آزادی
دلوں میں اہلِ زمیں کے ہے نیو اس کی مگر — قصورِ خلد سے اونچا ہے بامِ آزادی
وہاں بھی خاک نشینوں نے جھنڈے گاڑ دیے — ملا نہ اہلِ دول کو مقامِ آزادی
ہمارے زور سے زنجیرِ تیرگی ٹوٹی — ہمارا شور ہے ماہِ تمامِ آزادی
ترنمِ سحری دے رہا ہے جو چھپ کر — حریفِ صبحِ وطن ہے یہ شامِ آزادی

ہمارے سینے میں شعلے بھڑک رہے ہیں فراقؔ
ہماری سانس سے روشن ہے نامِ آزادی

زنداں

وامق جونپوری

یہ اونچی لونچی دیواریں
یہ زنجیروں کی جھنکاریں

گولی کے یہ چلنے کی سن سن پھیلا ہوا اگنی کا دامن
کس جرم کی ہیں یہ پاداشیں کیوں لوٹتی پھرتی ہیں لاشیں
اس ظلم کی کوئی حد بھی ہے آخر کوئی اس کا رد بھی ہے

یہ اونچی لونچی دیواریں
یہ زنجیروں کی جھنکاریں

بہتی ہے یہاں اُلٹی گنگا نوکر چنگا مالک ننگا
کھانے کو لوہے کی تھالی گندی گندی کالی کالی
خونخوار نگاہوں کی سازش پیٹھوں پر کوڑوں کی بارش
ہاتھوں میں چکی کے چھالے ہر سانس پہ جینے کے لالے
قدغن ہے لبوں کے ہلنے پر پابندیاں آنکھیں ملنے پر

یہ اُونچی اُونچی دیواریں
یہ زنجیروں کی جھنکاریں

چھپ چھپ کے یہ ملنا آپس میں بھٹکتے ہوئے دل کس کے بس میں
خاموش نظر کے جیکارے یہ جیکارے یہ انگارے
اک روز قیامت ڈھائیں گے بے نام و نشاں گر جائیں گے

یہ اونچی اونچی دیواریں
یہ زنجیروں کی جھنکاریں

آخری مرحلہ

کیفی اعظمی

حصار باندھے ہوئے تیوریاں چڑھائے ہوئے کھڑے ہیں ہند کے سردار سر اُٹھائے ہوئے
بڑھے ہیں جھیلے ہوئے قید و بند کے آزار اُٹھے ہیں جنگ خلافت کی آزمائے ہوئے
شجاعِ حیدر و ٹیپو کی گود کے پالے دلیر نانک و رنجیت کے سکھائے ہوئے
خمار بادۂ اقبال کا نگاہوں میں لبوں پہ نغمۂ ٹیگور مُسکرائے ہوئے
نفس میں آنچ گرجتی ہوئی مشینوں کی قدم پہ آتش و آہن کا سر جھکائے ہوئے
جبیں پہ دھان کی کھیتوں کی نرم ہریالی نظر میں قحط کی پرچھائیاں چھپاتے ہوئے
بھڑک کے دوشِ ہوا پر بچھا رہے ہیں کمند شرر جو سرد کتابوں میں تھے دبائے ہوئے
فضا میں سُرخ پھریرا لگا رہا ہے حیات ہوا کی زد پہ چراغِ عمل جلائے ہوئے
تڑپ کے گرنے ہی والی ہے برق زنداں پر کھڑے ہیں در پہ اسیر آسرا لگائے ہوئے

ابھی کھلیں گے نہ پرچم ابھی پڑے گا نہ رن کہ مستقل ہے مگر متحد نہیں ہے وطن
پکارتا ہے افق سے لہو شہیدوں کا کہ ایک ہاتھ سے کھلتی نہیں گلے کی رسن
یہ انتشار یہ ہلچل یہ مورچوں میں شگاف مذاق اُڑاتے ہیں عزم جہاد کا دشمن
نکل کے صف سے کھڑے ہو گئے ہیں کچھ ساونت بڑھا کے ہاتھ محبت سے تھام لو دامن
پھر ایک بار بڑھو لے کے صلح کا پیغام پھر ایک بار جلا دو شکوک کے خرمن
یہ یاس کیوں؟ یہ تمنائے خود کشی کیسی نوید فتح ہے قلبِ عوام کی دھڑکن

مٹا دو مل کے مٹا دو نشاں غلامی کا
زمین چھوڑ چکا کارواں غلامی کا

نوجوانوں سے خطاب

شورش کاشمیری

اے لشکرِ ملت کے رضا کار جوانو — آزادئ کامل کے طلب گار جوانو

تقدیر کو تدبیر کے بازو پہ جھکادو — ناموسِ وطن کے لئے جانوں کو لڑادو

خورشیدِ شہنشاہی کو ڈھلتے ہوئے دیکھوں — سینے میں عزائم کو مچلتے ہوئے دیکھوں

یہ ملک ہوا جس کے تشدد کا نشانہ — اب اس کی تباہی کا بھی آیا ہے زمانہ

یورپ کی فضاؤں میں قضا جاگ اُٹھی ہے — اب جنگ کفن چور لٹیروں میں ٹھنی ہے

ہٹلر کے ارادوں کا بدلنا نہیں ممکن — لندن کے خداؤں کا سنبھلنا نہیں ممکن

اب جلیاں والا کے شہیدوں کو پکارو — افلاکِ شہادت کے ستاروں کو پکارو

کہتا ہوں سنو جوشِ جوانی کو پکارو — چلتی ہوئی تیغوں کی روانی کو پکارو

مقتل سے اُٹھالاؤ شہیدوں کے سروں کو — آواز دو آواز تباہ حال گھروں کو

لینا ہے مجھے ہند کی تذلیل کا بدلا — ناموس کی بجھتی ہوئی قندیل کا بدلہ

مشرق کے جوانوں کو سنبھلتے ہوئے دیکھوں
یہ ہند کی سرکار بدلتے ہوئے دیکھوں

ترانۂ جہاد

احسان دانش

مجاہدینِ صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

روش روش، چمن چمن، بڑھے چلو، بڑھے چلو
جبل جبل، دمن دمن، بڑھے چلو، بڑھے چلو
بکش بکش، بزن بزن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

مجاہدینِ صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

زمین رشکِ آسماں تمہاری انجمن سے ہے
رگ جہاں میں خوں رواں تمہارے بانکپن سے ہے
رہے تمہارا بانکپن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

مجاہدینِ صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

قدم اٹھاؤ اس طرح زمیں کا دل دہل اٹھے
وہ نعرہ ہائے گرم ہوں کہ رنگِ چرخ جل اٹھے
بہ نازشِ کمالِ فن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

مجاہدینِ صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

ڈرا جو موت سے نہیں وہ شاد کام زندگی
ڈرو نہ موت سے کہ موت ہے دوام زندگی
ہے دل کی زندگی لگن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

مجاہدینِ صف، شکن بڑھے چلو، بڑھے چلو

فضا خلاف ہے تو ہو، شکوہ سے عَلم اٹھے
ہے دھڑکنوں کی جو روش اسی طرح قدم اٹھے
خوشی خوشی، مگن مگن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

مجاہدینِ صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

جو راہ میں پہاڑ ہوں تو بے دریغ اکھاڑ دو
اٹھاؤ اس طرح نشاں فلک کے دل میں گاڑ دو
ہے کھیل دار اور رسن بڑھے چلو، بڑھے چلو

مجاہدینِ صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

وفا کا عہد باندھ کر وفا سے کھیلتے ہوئے
لہو میں تیرتے ہوئے، فضا سے کھیلتے ہوئے
دلاورانِ تیغ زن بڑھے چلو، بڑھے چلو

مجاہدینِ صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

بلند برچھیاں کرو وہ رحمتِ خدا جھکی
وہ زندگی کا در کھلا وہ سر کے بل قضا جھکی
سپاس خوانِ ذوالمنن بڑھے چلو، بڑھے چلو

مجاہدینِ صف شکن، بڑھے چلو، بڑھے چلو

کسانوں کا گیت

مسعود اختر جمال

یہ دھرتی، یہ جیون ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے

امرت بادل بن کے اٹھے ہیں، پربت سے ٹکرائیں گے
کھیتوں کی ہریالی بن کر، چھب اپنی دکھلائیں گے
دنیا کا دکھ سکھ اپنا کر، دنیا پر چھا جائیں گے
ذرّہ ذرّہ اس دنیا کا آج گگن کا تارا ہے
یہ دھرتی، یہ جیون ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے

دکھ بندھن کٹ جائیں گے سکھ کا سندیسہ آئے گا
مٹی اب سونا اگلے گی، بادل مَن برسائے گا
محنت پر ہے جس کا بھروسہ محنت کا پھل پائے گا
اپنے ہی کس بل کا سمندر وقت کا بہتا دھارا ہے
یہ دھرتی، یہ جیون ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے

سپنوں کے سندر آنچل سے آشا روپ دکھاتی ہے
اپنی ہی آواز کی لے پر، ساری دنیا گاتی ہے
آج ترنگے کی لہروں میں بجلی سی لہراتی ہے
ایک ہی وار میں اب اے ساتھی دشمن سے چھٹکارا ہے
یہ دھرتی، یہ جیون ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے

اے حُرّیت کی دیوی! ہندوستان آجا

سید مقبول حسین

نعروں میں غازیوں کے، نغموں میں شاعروں کے
خطبوں میں واعظوں کے، اشکوں میں زاہدوں کے

اے حرّیت کی دیوی! ہندوستان آجا

ہے تجھ سے ہم کو اُلفت دل کو ہے تیری حسرت
ہے غیر اپنی حالت، اس وقت ہے ضرورت

اے حریت کی دیوی! ہندوستان آجا

جوشِ فرنگ تجھ سے سب صلح و جنگ تجھ سے
ساری امنگ تجھ سے، سب راگ و رنگ تجھ سے

اے حریت کی دیوی! ہندوستان آجا

ناقوس کی فضاں میں، آوازۂ اذاں میں
گلشن میں گلستاں میں، ہاں ہاں اسی خزاں میں

اے حریت کی دیوی! ہندوستان آجا

نہرؔو کی التجا میں، آزاؔد کی صدا میں
گاندھیؔ کی آتما میں، اور ہند کی دعا میں

اے حریت کی دیوی! ہندوستان آجا

رحمت کا ابر چھایا، حق نے یہ دن دکھایا
اپنا بھی وقت آیا، آزاد کر خدایا

اے حریت کی دیوی! ہندوستان آجا

گلزارِ وطن

درگا سہائے سروؔر جہاں آبادی

پھولوں کا کنج دلکش بھارت میں اک بنائیں
حبِ وطن کے پودے اس میں نئے لگائیں
پھولوں میں جس چمن کے ہو بوئے جاں نثاری
حبِ وطن کی قلمیں ہم اس چمن سے لائیں
خونِ جگر سے سینچیں ہر نخلِ آرزو کو
اشکوں سے بیل بوٹوں کی آبرو بڑھائیں
ایک ایک گل میں پھونکیں روحِ شمیمِ وحدت
اک اک کلی کو دل کے دامن سے دیں ہوائیں
فردوس کا نمونہ اپنا ہو کنج دل کش
سارے جہاں کی جس میں ہوں جلوہ گر فضائیں
چھایا ہوا ابر رحمت کا نشانہ چمن میں
رم جھم برس رہی ہوں چاروں طرف گھٹائیں
سرطانِ باغ بن کر اڑتے پھریں ہوا میں
نغمے ہوں روح افزاں اور دلربا صدائیں
حبِ وطن کے لب پر ہوں جانفزا ترانے
شاخوں پہ گیت گائیں پھولوں یہ چہچہائیں

چھائی ہوئی گھٹا ہو موسم طرب فزا ہو
جھونکے چلیں ہوا کے اشجار لہلہائیں

اس کنج دل نشیں میں قبضہ نہ ہو خزاں کا
جو ہو گلوں کا تختہ، تختہ ہو اک جناں کا
بلبل کو ہو چمن میں صیاد کا نہ کھٹکا
خوش خوش ہو شاخِ گل پر غم ہو نہ آشیاں کا
حبِ وطن کا مل کر سب ایک راگ گائیں
لہجہ جدا ہو گرچہ مرغانِ نغمہ خواں کا
ایک ایک لفظ میں ہو تاثیر بوئے اُلفت
انداز دل نشیں ہو ایک ایک داستاں کا
مرغانِ باغ کا ہو اس شاخ پر نشیمن
پہنچے نہ ہاتھ جس تک صیاد آسماں کا
موسم ہو جوشِ گل اور دن بہار کے ہوں
عالم عجیب دل کش ہو اپنے گلستاں کا

مل مل کے ہم ترانے حبِ وطن کے گائیں
بلبل ہیں جس چمن کے گیت اس چمن کے گائیں

سبھاش چندبوس
بہادر شاہ ظفر کے مزار پر

جگن ناتھ آزاد

السلام اے عظمتِ ہندوستاں کی یاد گار اے شہنشاہ دیارِ دل! فقیر بے دیار
آج پہلی بار تیری قبر پہ آیا ہوں میں بے نوا ہوں نذر کو بے لوث دل لایا ہوں میں
گردش تقدیر کے ہاتھوں وطن سے دور ہوں ایک بلبل ہوں مگر صحن چمن سے دور ہوں
شوق آزادی کا مجھ کو کھینچ لایا ہے یہاں آج دشمن ہے زمیں میری عدو ہے آسماں
میں بھی ہوں اپنے وطن سے دور تو بھی دور ہے ہاں رضائے پاک پرواں کو یہی منظور ہے
میرا دامن بھی یہاں کی خاک سے آلودہ ہے
فرق صرف اتنا ہے میں آوارہ تو آسودہ ہے

اے شہہ خوابیدہ! اے تقدیرِ بیداد وطن آئینہ میری نگاہوں پر ہے ادبارِ وطن
میرے دل کو یاد ہے اب تک وہ ستاون کی جنگ جس کے بعد اس سرزمین پہ چھا گئے اہل فرنگ
میری نظروں میں ہے میرٹھ اور دہلی کا زوال جانتا ہوں میں جو تھا جھانسی کی رانی کا مآل
میں نہیں بھولا ابھی انجامِ نانافرنویس ہے نظر میں کوششِ ناکام نانافرنویس
داستاں جیسے بھی ہو گزری وہ سب معلوم ہے
تیرے دلبندوں پہ جو گزری وہ سب معلوم ہے

یہ وطن روندا ہے جس کو مدتوں اغیار نے جس پہ ڈھائے ظلم لاکھوں چرخ ناہنجار نے
جس کو رکھا مدتوں قسمت نے ذلت آشنا جس نے ہر پہلو میں دیکھی پستیوں کی انتہا
آج پھر اس ملک میں ایک زندگی کی لہر ہے خاک سے افلاک تک تابندگی کی لہر ہے
آج پھر اس ملک کے لاکھوں جواں بیدار ہیں حریت کی راہ میں مٹنے کو جو تیار ہیں

آج پھر ہے بے نیام اس ملک کی تلوار دیکھ سونے والے جاگ اپنے خواب کی تعبیر دیکھ
اس طرح لرزے میں ہے بنیادِ ایوانِ فرنگ کھا چکے ہیں مات گویا شیشہ بازانِ فرنگ
حبِ قومی کے ترانوں سے ہوا لبریز ہے اور توپوں کی دنادن سے فضا لبریز ہے
شور گیرو دار کا ہے پھر فضاؤں میں بلند آج پھر ہمت نے پھینکی ہے ستاروں پر کمند
پھر امنگیں اور آرزوئیں ہیں دلوں میں بے قرار قوم کو یاد آگیا ہے اپنا گم گشتہ وقار
نوجوانوں کے دلوں میں سرفروشی کی اُمنگ عشق بازی لے گیا ہے عقل بے چاری ہے دنگ
آج پھر اس دیس میں جھنکار تلواروں کی ہے کچھ نرالی کیفیت پھر دیس کے پیاروں کی ہے
جو توانائی ارادوں میں ہے کہساروں کی ہے ذرے ذرے میں نہاں تابندگی تاروں کی ہے
یہ نظارہ آہ لفظوں میں سما سکتا نہیں آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
فتح و نصرت کی دعاؤں سے ہوا معمور ہے
نعرۂ جے ہند سے ساری فضا معمور ہے

مجھ کو اے شاہ وطن! اپنے ارادوں کی قسم جن کے سر کاٹے گئے ان شاہزادوں کی قسم
تیرے مرقد کی مقدس خاک کی مجھ کو قسم میں جہاں ہوں اس فضائے پاک کی مجھ کو قسم
اپنے بھوکے جاں بلب بنگال کی مجھ کو قسم حاکموں کے دست پرور کال کی مجھ کو قسم
لال قلعے کی، زوالِ شہر دہلی کی قسم محسنِ دہلی! مآل شہر دہلی کی قسم
میں تیری کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لاؤں گا
اور تیرے مرقد پہ نصرت یاب ہو کر آؤں گا

منزل قریب تر ہے

سیماب اکبر آبادی

اے اہل کارواں کیا تم کو بھی یہ خبر ہے! منزل قریب تر ہے
ہے ختم جادۂ شب اور آمد سحر ہے۔ منزل قریب تر ہے

اللہ رے وہ جذبہ جو کامیاب نکلا
جادۂ شناس نکلا، مقصد مآب نکلا
بے دار کن مآلِ تجدید خواب نکلا
لو مشرقِ طلب سے وہ آفتاب نکلا

وہ آفتاب جس میں امید جلوہ گر ہے منزل قریب تر ہے

جو شورش تمام محفل بنی ہوئی ہے
ہر گفتگو کا جزوِ حاصل بنی ہوئی ہے
لاحل جو ایک فکر باطل بنی ہوئی ہے
صدیوں سے جو حدیثِ مشکل بنی ہوئی ہے

وہ داستانِ منزل فی الجملہ مختصر ہے منزل قریب تر ہے

اے اہل کارواں ہو تم پر سلام میرا
آسودگی مبارک، ہے ختم کام میرا
ہوں رہنمائے منزل، شاعر ہے نام میرا
لایا ہے تابہ منزل تم کو پیام میرا

پہلے جو ہم سفر تھا اب حاصلِ سفر ہے منزل قریب تر ہے

Laser type setting at RANGMAHAL, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2
and Printed at J. J. Offset Printers, Wazirpur, Delhi-35

قیمت : 11.00
نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا